پاکستان میں نفاذ شریعت کا مسئلہ

مشاورتی اجلاس

آرٹیکل ۲۲۹ کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ آئینی ذمہ داری ہے کہ وہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں سے ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرے جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے اسلام کے ان اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب اور امداد ملے جن کا قرآن پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے۔ اپنی اسی آئینی ذمہ داری پر عمل کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل ملک کو درپیش دینی و مذہبی مسائل پر بھی غور کرنے کے بعد حکومت کے لیے اپنی سفارشات مرتب کرتی ہے۔ نفاذ شریعت کا مسئلہ بھی پاکستان میں نہایت اہمیت رکھتا ہے جس پر شدید اختلاف رائے اور ابہام پایا جاتا ہے جس سے پاکستانی قوم میں مایوسی بھی پھیل رہی ہے اور اس کے نتیجے میں شدت پسندی اور خانہ جنگی کے واقعات بھی پیش آرہے ہیں۔

پاکستان میں دینی جماعتوں کے سیاسی اتحاد، مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذ شریعت محمدیہ اور اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی جانب سے شریعت کے مطالبے اس کی مثالیں ہیں۔ صوبہ سرحد کی حکومت نے مقامی طالبان کے ساتھ ایک امن معاہدے کے تحت صوبے میں شریعت نافذ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذ شریعت کی تحریک پہلے سے ہی جاری ہے اور صوبہ سرحد کی حکومت مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذ شریعت کے حوالے سے نفاذ عدل ریگولیشن ۱۹۹۹ء کا اصلاحی مسودہ بھی متعارف کرایا ہے اور اس کی حتمی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اگرچہ حکومت اس علاقے میں شریعت نافذ کرنا چاہتی ہے لیکن عملی طور پر نفاذ شریعت سے حکومت کی کیا مراد ہے، یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہے۔

اسی صورتحال کے پیش نظر اسلامی نظریاتی کونسل نے اقبال انسٹیٹیوٹ، بین الاقوامی اسلام یونیورسٹی کے تعاون سے تین مشاورتی اجلاسوں کا اہتمام کیا جن کا بنیادی مقصد پاکستان کے تناظر میں نفاذ شریعت کے سلسلے میں مختلف اسلامی اسکالرز، جج صاحبان، وکلاء برادری، فیڈرل شریعت کورٹ کے ممبران، تجزیہ کاروں اور سرکاری عہدیداروں کے درمیان پائے جانے والے فکری اختلاف کو کم کرنا اور ملک کے بعض علاقوں میں نفاذ شریعت کے سلسلے میں حکومت کے معاہدے کی وجہ سے پیدا ہونے والے معاملات کو سامنے لانا، ان کی وضاحت کرنا اور اس سلسلے میں عملی سفارشات مرتب کرنا اور پاکستان کی صورتحال کا دوسرے ممالک کے تجربات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کر کے کسی بہتر فہم و ادراک تک پہنچنا تھا۔

مشاورتی اجلاسوں میں ماہرین کے سامنے مندرجہ ذیل بنیادی سوالات رکھے گئے۔

۱۔ شریعت اور حکومت کا باہمی تعلق کیا ہے۔

۲۔ صوبہ سرحد کو حکومت سے شریعت نافذ کرنے کے لیے مزید اقدامات کا کون مطالبہ کررہا ہے اور کیوں؟

۳۔ شریعت اور نفاذ شریعت کے درمیان کیا رابطہ ہے؟ نفاذ شریعت کی ذمہ داری کس کی ہے؟ علماء کی؟ حکومت کی؟ یا عوام کی؟

۴۔ شریعت اور ماڈرن لاء کے ایک ساتھ وجود کا امکان (Co-existance)

۵۔ شریعت کے تناظر میں حکومت اور شہریوں کے درمیان تعلق

۶۔ نفاذ شریعت کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کے لیے کس قسم کی تیاری کی ضرورت ہے

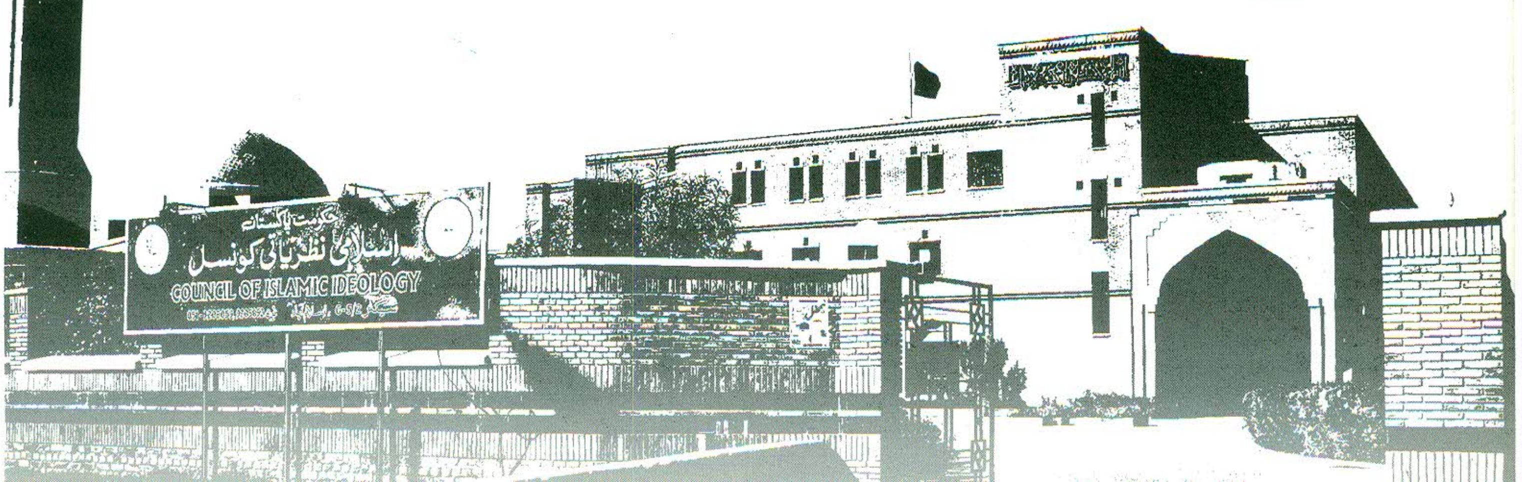

یہ مشاورتی اجلاس درج ذیل تاریخوں کو منعقد ہوئے:

۸ نومبر ۲۰۰۸ء: جج صاحبان، وکلاء، مذہبی سکالرز اور سوات اور فاٹا سے نمائندگان۔
۲۴ دسمبر ۲۰۰۸ء: وکلاء، خواتین کے حقوق کے نمائندگان اور میڈیا کے نمائندگان۔
۱۵ جنوری ۲۰۰۹ء: مختلف مسالک کے مذہبی سکالرز۔

مشاورت کے دوران وفود کی جانب سے حسب ذیل نتائج فکر اور سفارشات پیش کی گئیں۔:

نتائج

۱۔ پاکستان میں عام لوگوں کی رائے کے مطابق اسلامی یا شرعی نظام سے مراد وہ نظام عدل ہے جس میں لوگوں کو جلد، مناسب اور سستا انصاف فراہم کیا جائے۔ سوات میں مذہبی انتہا پسندی تساہل پسند، مہنگے اور غیر مربوط نظام عدل کا براہ راست نتیجہ ہے۔

۲۔ موجودہ نظام عدل تساہل پسند، بدعنوانی پر مبنی اور مہنگا ہے، سوات میں لوگ اس نظام کا موازنہ والیٔ سوات کی انتظامیہ کے ساتھ کرتے ہیں جب ایک یا دو دنوں میں اخراجات کے بغیر منصفانہ انداز میں ایک مقدمے کا فیصلہ سنا دیا جاتا تھا۔

۳۔ مذہبی انتہا پسند تساہل پسند اور مہنگے نظام عدل کا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اسلام کے نام پر لوگوں کو ایک مثالی نظام عدل پیش کرنے کا اعلان کر کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے ہیں۔

۴۔ ریاست کا ردعمل سست رہا ہے اور اس طرح انتہا پسندی کی حوصلہ افزائی ہوئی اور سوات میں انتہا پسندی کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔

۵۔ ایف ایم ریڈیو کی نشریات، خواتین کے تعلیمی اداروں کی تباہی، پولیو کے قطرے پلانے کی مہم میں رکاوٹ اور قانون اور امن وامان کی مکمل ناکامی پر ریاست نے ابھی تک کوئی بھرپور اقدام نہیں کیا ہے۔

۶۔ انتہا پسند اسلامی قانون سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ محض اپنی ذاتی خواہشات کے مطابق موقع پر فیصلہ کرتے ہیں اور یوں مقامی لوگوں کو دہشت زدہ کیا جا رہا ہے۔

۷۔ ملک میں کسی بھی سیاسی جماعت نے انتہا پسندی کی مذمت نہیں کی۔ تاہم، پاکستان کے تمام علاقوں سے تعلق رکھنے والے مذہبی سکالروں نے سوات میں انتہا پسندوں کی کھلم کھلا حمایت اور عسکری آپریشن کی مذمت کی ہے۔

۸۔ قبائلی علاقے کا ڈھانچہ مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔ مقامی آبادی کے ساتھ کوئی سیاسی مکالمہ نہیں کیا جا رہا۔ مختلف ذرائع سے ان پر جنگ مسلط کی گئی ہے۔ قبائل اب کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرتے۔

۹۔ فاٹا میں قوانین مکمل طور پر قابل اعتراض ہیں۔ کوئی وجہ بتائے بغیر تین سال کے لیے فاٹا میں کسی بھی شخص کو قید کیا جا سکتا ہے۔ اعانت کے لئے لوگ متبادل قوانین کی توقع رکھتے ہیں، جن میں شخصی تحفظ کی ضمانت دی جا سکے۔

۱۰۔ قبائلی علاقوں میں زندگی کی غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے خودکش حملہ آوروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو اپنے مقصد کے حصول کے لئے قتل کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

۱۱۔ چیف جسٹس کی بیٹی کے اضافی نمبروں سے متعلق الیکٹرانک میڈیا میں خبروں سے انتہا پسندوں کے موقف کو تقویت حاصل ہوئی ہے، کہ ملک میں انصاف ایک محدود طبقہ کی مراعات سے منسلک ہے۔

۱۲۔ انگریزی زبان میں سرکاری کارروائی اور انگریزی زبان میں درج فارموں کی وجہ سے دیہی آبادی فی الحقیقت اپنے آپ کو اجنبی محسوس

کرتی ہے اور انتہا پسند اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلان کر رہے ہیں کہ ملک میں انگریزی قانون نافذ ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۳۔ حکومت کو عملاً مغربی ثقافت کی بجائے اسلامی ثقافت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ جمعہ کی بجائے اتوار کے دن سرکاری تعطیل نے بھی عوام میں ایک منفی تاثر پیدا کیا ہے۔

۱۴۔ شہری اور دیہی معاشروں میں خواتین کو بالخصوص نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ خواتین کے بارے میں امتیازی قوانین کے خاتمے کے حوالے سے ماضی میں حکومت کی ناکامی کی وجہ سے خواتین کو تاریکی میں دھکیل دیا گیا ہے۔

۱۵۔ تمام مذہبی جماعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ الیکٹرانک میڈیا فحاشی پھیلا رہا ہے۔ قدامت پسند نظام میں رہنے والے لوگ کسی بھی پرائیوٹ یا سرکاری چینل سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔

۱۶۔ مدارس کا نصاب طلباء کو کوئی جدید راہنمائی فراہم نہیں کرتا اور قدامت پسندی کی ترویج کرتا ہے جو کہ مکمل طور پر جدیدیت کی ضد ہے۔

۱۷۔ تنخواہ یافتہ مولویوں سمیت ہر جمعہ کے دن منبر پر حکومتی احکامات کی مذمت اور انتہا پسندوں کی حمایت کی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں حکومت کی خاموشی انتہا پسندوں کے لیے تقویت کا باعث بن رہی ہے۔

۱۸۔ قادیانیوں کو اکثریت سے نکال دیا گیا ہے اور اسلام کے نفاذ کے بارے میں روز بروز بلند آہنگ ہوتی بحث کے سبب غیر مسلم اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہے ہیں۔ ملک سے وفاداری کے ضمن میں مذہب اور شہریت کے تصور کی دوبارہ وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۹۔ جرائم پر سزا دینا ریاست کی ذمہ داری ہے، گناہوں پر سزا دینا ریاست کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ریاست کے پاس یہ حق نہیں ہے کہ وہ شہریوں کی ذاتی زندگی میں مداخلت کرے اور ان کی ایسی اخلاقی سرگرمیوں پر نظر رکھے، جو وہ اپنی چاردیواری میں کرتے ہوں۔

سفارشات

۱) اگر حکومت فوری، سستے اور منصفانہ نظام عدل کو یقینی بنا دے تو انتہا پسندوں کو عوام کی ہمدردی حاصل نہیں ہوگی۔

۲) وہ لوگ جو ملک میں اسلامی نظام عدل چاہتے ہیں وہ بھی انتہا پسندی سے خوف زدہ ہیں۔

۳) وہ لوگ جو انصاف فراہم کرتے ہیں اگر وہ مکمل طور پر ایماندار اور تعصب سے بالاتر نہ ہوں تو صحیح انصاف فراہم نہیں ہوگا۔

۴) لوگ اپنا نظام انگریزی زبان کی بجائے اپنی زبان میں چاہتے ہیں۔

۵) پورے ملک میں قوانین ایک جیسے ہونے چاہیے۔ پنچائیت اور بالخصوص عورتوں کے خلاف مقامی رسومات اور جرگے ختم ہونے چاہئے۔

۶) مساجد کی انتظامیہ اور مدارس میں نصاب جدید بنانے کی ضرورت ہے۔

۷) ملک کے تمام علاقوں بشمول فاٹا اور فانا میں حکومت کا نظام ملک کے دوسرے حصوں کے برابر کرنا ہوگا۔

۸) منتخب سیاستدان اپنے متعلقہ علاقوں بشمول سوات، ملاکنڈ اور وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں اپنے ووٹروں کے ساتھ اپنا تعلق اور رابطہ قائم رکھیں۔

۹) حکومت کو چاہیئے کہ وہ ایسے اسلامی اعلانات کرے جو دیہی عوام کے دل جیت سکیں۔

۱۰) جمعہ کے دن خطبوں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ حکومت پر مکمل تنقید کرنے کے بجائے امام حضرات کو چاہئے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو اجاگر کریں تا کہ معاشرے اور شہریوں کے کردار میں بہتری لائی جا سکے۔

۱۱) مغربی ممالک کی طرح تمام سرکاری اور تجارتی ٹی وی چینلوں پر فحاشی و عریانی سے متعلق ضابطہ اخلاق کا اطلاق ہونا چاہئے۔

۱۲) قانونی اجازت کے بغیر شہریوں کی ذاتی زندگی میں مداخلت سے ریاست کو اجتناب کرنا چاہئے۔ اور بلا وجہ پولیس کو چاردیواری میں داخلے کی اجازت ختم ہونی چاہئے۔

۱۳۔ کام کی جگہیں اور قانونی طور پر جائز کاروبار کی جگہیں بشمول موسیقی اور سی ڈی کی دکانوں کو ریاست کی جانب سے تحفظ فراہم کیا جانا چاہئے۔ اگر موجودہ رجحان جاری رہا تو مستقبل میں کتابوں کی دکانیں بھی جلائی جائینگی۔